لاہور کی ادبی انجمنیں

Literary Associations of Lahore

ناصر حسین[i] ڈاکٹر سجاد نعیم[ii]

Abstract:

After the turmoil of 1857, India was in a state of stagnation. To address this, the government established various educational and literary societies in different provinces and cities, including the prominent "Punjab Association." This new trend of forming societies, led by Lahore, raised awareness among the people and encouraged them to adapt to new circumstances and pursue education. Opportunities for employment were provided to students, and efforts were made to preserve and promote the Urdu language. These educational and literary societies greatly contributed to the development of the people of Lahore. Some successful associations included the Islamic Association Lahore, Useful Society Qasur District, Compassionate Islamic Society Lahore, Urdu Support Society, Islamic Support Society Lahore, Scholars Association, Lahore Development Movement, and the Circle of Scholars. These societies played a significant role in promoting and advancing Urdu not only in Lahore but throughout the entire Indo-Pak region.

Keywords: *Compassionate Islamic Society Lahore, Urdu Support Society, Islamic Support Society Lahore, Scholars Association, Lahore Development Movement, The Circle of Scholars.*

۱۸۵۷ء کے فسادات کے بعد ہندوستان تعطل کا شکار ہو گیا۔ اس تعطل کو دور کرنے کے لیے حکومت نے مختلف صوبوں اور شہروں میں علمی و ادبی انجمنیں قائم کیں جن میں بڑی انجمن ''انجمن پنجاب'' بھی شامل تھی۔ انجمن پنجاب لاہور کے توسط سے انجمنیں بنانے کی ایک نئی روایت سامنے آئی ، جس نے لوگوں میں شعور پیدا کیا اور نئے حالات سے ہم آہنگ ہونے اورعلم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی۔ طلباء کو وظائف فراہم کیے گئے اور اردو زبان کے تحفظ اور فروغ دینے کی کوششیں کی گئیں۔ ان علمی و ادبی انجمنوں نے اہل لاہور کی ترقی میں بہت مدد کی۔ کچھ کامیاب انجمنوں میں انجمن اسلامیہ لاہور ، انجمن مفید عام ضلع قصور ، انجمن ہمدرد اسلامیہ لاہور ، انجمن حمایت اردو ، انجمن حمایت اسلام لاہور ، انجمن ارباب علم ، نیاز مندان ، لاہور ترقی پسند تحریک ، اور حلقہ اربابِ ذوق شامل ہیں۔ ان انجمنوں نے نہ صرف لاہور بلکہ پورے ہندو پاک میں اردو کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

کلیدی الفاظ: انجمن اسلامیہ لاہور ، انجمن مفید عام ضلع قصور ، انجمن ہمدرد اسلامیہ لاہور ، انجمن حمایت اردو ، انجمن حمایت اسلام لاہور ، انجمن ارباب علم ، نیاز مندان لاہور ، ترقی پسند تحریک ، حلقہ اربابِ ذوق۔

۱۸۵۷ء کے فسادات کے بعد ہندوستان تعطل کا شکار ہو گیا۔ اس تعطل کو دور کرنے اور قوم میں نئی تحریک پیدا کرنے کی کوشش میں حکومت نے مختلف صوبوں اور شہروں میں علمی وادبی انجمنوں کے قیام کا آغاز کیا۔ پہلی ادبی انجمنیں بمبئی، بنارس، لکھنؤ، شاہ جہاں پور، بریلی اور کلکتہ میں قائم ہوئیں۔ ایسی ہی ایک بڑی انجمن جسے ''انجمن پنجاب'' کے نام سے جانا جاتا ہے، جنوری ۱۸۶۵ء میں لاہور میں قائم کیا گیا، ڈاکٹر لائٹر نے اس کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا اور وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پہلے پرنسپل بھی تھے۔ اس

i اسکالر پی ایچ ڈی ، شعبہ اردو ، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور (Corresponding Author)

ii اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبہ اردو ، ایمرسن یونی ورسٹی ، ملتان۔

انجمن کے اغراض و مقاصد قدیم مشرقی علوم کو زندہ کرنا، مفید سائنسی معلومات کو مقامی زبان میں شائع کرنا، حکومت کو رائے عامہ سے آگاہ کرنا، سائنسی اور سماجی مسائل پر خیالات کا تبادلہ کرنا، پنجاب اور دیگر ہندوستانی ممالک کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانا، ملک کی مجموعی ترقی کو فروغ دینا، شہری انتظامیہ کو بہتر بنانا، حکمران اور عوام کے درمیان رابطے، اتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ دینا تھا۔[۱]

انجمن پنجاب لاہور کے توسط سے انجمنوں کی تشکیل کی ایک نئی روایت سامنے آئی، جس نے لوگوں میں نئے حالات اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا شعور اجاگر کیا۔ مسلمانوں نے معاشرے کی بہتری کے لیے اپنی صلاحیتوں اور قومی مفادات کو یکجا کیا اور اپنے فلاحی اور علمی و مذہبی شعور کو بھی بیدار کیا۔ ''انجمن پنجاب'' اور اس کے زیرِ سایہ وجود میں آنے والی انجمنوں کے مقاصد نہایت وسعت کے حامل تھے۔ انھوں نے عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج ہندوؤں کی طرف سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر حملوں کا تحریر و تقریر سے بھرپور جواب دیا اور ان کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور طلبہ کو وظائف فراہم کرتے ہوئے اسکول قائم کیے۔ اس کے علاوہ نو مسلمانوں کے لیے روزگار کے مواقع بھی پیدا کیے۔ مزید برآں، انھوں نے اردو زبان کے تحفظ اور ترویج، مساجد کی دیکھ بھال اور غیر اسلامی روایات کے خاتمے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہ علمی و ادبی انجمنیں اہل لاہور کی ترقی میں بے حد مددگار ثابت ہوئیں۔

انجمن پنجاب کے تعاون سے اور خان بہادر برکت علی خان کی قیادت میں ''انجمنِ اسلامیہ لاہور'' کا قیام ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ اس کی تشکیل کا بنیادی مقصد مسلم کمیونٹی کے تعلیمی، سماجی اور اخلاقی پہلوؤں میں بہتری لانا تھا۔ چنانچہ انجمن انھی نیک مقاصد کی تکمیل کے واحد مقصد کے ساتھ قائم کی گئی۔ اس انجمن نے مختلف سرگرمیوں اور تقریبات میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے، جس کی کارگزاریوں کا احوال ''اخبار انجمن پنجاب'' میں اکثر و بیشتر شائع ہوا کرتا تھا۔[۲]

''انجمن مفید عام قصور ضلع لاہور'' کا قیام ۴ جولائی ۱۸۷۴ء کو منشی قادر بخش اور منشی غلام نبی کے تعاون انجمن پنجاب کے تتبع میں عمل میں آیا۔ قصور، جو پہلے پنجاب کا حصہ تھا، ۱۸۴۹ء میں الحاق کے بعد انتظامی طور پر لاہور سے منسلک ہو گیا۔ اس طرح انجمن پنجاب کی تقلید میں وجود میں آنے والی یہ انجمن ''انجمن پنجاب کی ذیلی شاخ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اگست ۱۸۷۴ء میں انجمن مفید عام قصور نے اپنا

رسالہ جاری کیا جس میں نہ صرف انجمن پنجاب بلکہ لاہور کے مصنفین کی تحریریں بھی شامل تھیں۔ اس طرح یہ رسالہ علمی اور ادبی اہمیت کا حامل تھا۔

۱۸۸۰ء میں "انجمن ہمدرد اسلامیہ لاہور" کا قیام نواب صادق حسین خان بھوپال کی سرپرستی میں ہوا۔ اس کا بنیادی مقصد مسلم کمیونٹی کو فروغ دینا اور مذہبی جارحیت کے خلاف دفاع کرنا تھا۔ انجمن نے اپنا ایک رسالہ شائع کیا، "اشاعت السنتہ" جس میں انجمن کی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہی فراہم کرنے کے ساتھ مذہبی مضامین پر توجہ مرکوز کی گئی تھی۔

"انجمن حمایت اُردو" ۱۸۸۱ء میں قائم کی گئی، جس کا مقصد ہندوؤں کی طرف سے ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر نافذ کرنے کے جواب میں اردو زبان کی حفاظت کرنا تھا۔

"انجمن حمایتِ اسلام لاہور" ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کو تشکیل دی گئی جس کی قیادت خان بہادر محمد کاظم، حاجی میر شمس الدین، شمس العلماء شمس الدین شائق، خلیفہ حمید الدین، میاں کریم بخش، مولوی غلام اللہ قصوری، خلیفہ عماد الدین جیسے ممتاز شخصیات نے کی۔ شیخ پیر بخش، مرزا عبدالرحیم دہلوی، مولوی سید احمد دہلوی، مرزا ارشد گورگانی، مولوی احمد دین وکیل، شیخ اینڈ بخش، مولوی عبداللہ، مولوی دوست محمد، میاں محمد چٹو، ڈاکٹر محمد دین نذیر، منشی محبوب عالم، بابا نجم الدین، بہادر الدین، مولوی غلام محی الدین، شیخ عظیم اللہ اور میاں عبدالعزیز کر رہے تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد عیسائیوں کے اسلام مخالف خطبات کا مقابلہ کرنا اور اسلامی لٹریچر کو پھیلانا تھا۔ "انجمن حمایتِ اسلام" کے زیر اہتمام اجتماعات نے علمی اور فنی نثر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کو مزید پروان چڑھانے میں انجمن کے ہفتہ روزہ ادبی رسالے حمایتِ اسلام نے معاون کردار ادا کیا۔ محمد حنیف شاہد نے اردو زبان کے ادب کو آگے بڑھانے میں اس تنظیم کے اہم کردار کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> آزادی سے قبل پنجاب میں اردو کی ترویج واشاعت کا سب سے بڑا مرکز لاہور اور لاہور کی انجمن حمایت اسلام کے تعلیمی واشاعتی ادارے اور اس کے سالانہ جلسے تھے۔ یہ سالانہ جلسے اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ اردو کے فروغ اور اشاعت کے بڑے گہوارے تھے جہاں سے ملک بھر کے ممتاز ترین علماء وفضلاء اور مقررین اردو زبان میں اپنے خیالات افکار کا اظہار فرماتے تھے۔ اردو زبان وادب کا یہ گراں بہا خزانہ سالانہ رودادوں اور حمایت اسلام کے

پرچوں میں محفوظ ہے۔[۳]

علامہ اقبال انجمنِ حمایتِ اسلام کے ایک مخلص رکن تھے اور انھوں نے مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیں، اس کی ترقی اور استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی حمایت اور شراکت سے نامساعد حالات میں بھی انجمن کا وجود برقرار رہا، کیوں کہ یہ انجمن قوم و ملت کی خدمات کر فریضہ بطریق احسن سرانجام دے رہی تھی۔ اقبال جیسی قدآور اور قادر الکلام شخصیت کو شہرتِ عام بقائے دوام بھی اسی مجلس کے پلیٹ فارم سے حاصل ہوئی۔ ان کی تحریروں اور تقاریر نے ان کے سامعین پر نمایاں اثر ڈالا، انھیں متاثر کیا، ان کے خیالات بدلے اور انھیں امید دی۔ ان کی نظموں نے قوم کو متحد کرنے اور آزادی کی جنگ لڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جاوید اقبال علامہ اقبال کے ترنم سے پڑھنے کی مقبولیت، ان کی تقریر اور دل موہ لینے والے انداز کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

> لاہور کی مشہور تعلیمی انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس اکثر ان کے کلام سے مستفید ہوتے تھے پہلے پہل جب ان کا کلام ترنم سے وہاں سنا گیا تو کئی موزوں طبع طلبہ اور بعض دوسرے شعراء کو شوق ہوا کہ وہ انکے طرز ترنم کا تتبع کریں اب جسے دیکھو وہ اپنا کلام اسی طرز سے پڑھ کر سنا رہا ہے۔[۴]

انجمن حمایتِ اسلام نے اپنی غیر معمولی علمی، ادبی اور مذہبی خدمات کے ذریعے اردو ادب کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس نے نہ صرف علمی ادارے قائم کیے بلکہ اردو کی بے شمار درسی کتابیں بھی مرتب کیں۔ انجمن حمایت اسلام کے اجلاسوں میں معروف شخصیات نے شرکت کی جنھوں نے اپنے روشن خطبات کے ذریعے علم و ادب کے میدانوں میں بے پناہ تعاون کیا۔ ان بزرگوں میں سر سید احمد خان، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا نذیر احمد، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد عبداللہ ٹونکی، نواب سر ذوالفقار علی خان، شیخ عبدالقادر، مرزا عبدالغنی، مرزا ارشد، مرزا ارشد گورگانی، مولانا ظفر علی خان، خوشی محمد نذیر، غلام بھیک نیرنگ، مولوی احمد دین، خواجہ دل محمد، مولوی اصغر علی روحی، نواب سراج الدین سیل دہلوی، نواب وقار الملک، نواب محسن ملک خان بہادر برکت علی خان، آغا حشر کاشمیری، جسٹس شاہ دین ہمایوں، سید نذیر حسین ناظم لکھنوی، مولوی سید ممتاز علی، سید سلیمان ندوی اور مولانا غلام قادر گرامی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ انجمن حمایت اسلام مذہبی ادب کی اشاعت میں

غیر معمولی مقام رکھتی ہے۔ انجمن حمایتِ اسلام کے بنیادی مقاصد میں مشرقی ادب میں دوبارہ دلچسپی پیدا کرنا، قدیم علمی و ادبی جواہرات کی اشاعت میں سہولت فراہم کرنا اور انگریزی علمی کاموں کا اردو میں ترجمہ کرنا شامل تھا۔ بلاشبہ ان کوششوں میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

"انجمن ارباب" علم زبان و ادب کے فروغ کے لیے قائم کردہ انجمن ہے۔ اس کی بنیاد مولانا تاجور نجیب آبادی نے رکھی تھی، جنھیں شعر و ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے اپنے دوستوں کے تعاون سے انجمن قائم کی، اور یہ باضابطہ طور پر عبدالقادر کی سرپرستی میں ۱۹۱۸ء میں لاہور میں قائم ہوئی۔ تاجور نجیب آبادی نے علم و ادب کو فروغ دینے کے لیے درس و تدریس، رسالوں کی تدوین اور ادبی تقریبات میں شرکت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ عبدالمجید سالک تاجور نجیب آبادی کی علم دوستی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> دیال سنگھ ہائی سکول کی ٹیچری سے ترقی کرکے وہ دیال سنگھ کالج میں فارسی کے لکچرر مقرر ہو گئے تھے۔ لیکن ادبی رسالوں کا مرتب کرنا اور نوجوانوں کو نثر و نظم میں اصلاح دینا ان کا دائمی مشغلہ رہا۔ اسی سلسلے میں انھوں نے ایک انجمن ارباب علم کی بنیاد رکھی، جس کے پر رونق مشاعرے ایس پی ایس کے ہال میں ہونے لگے مولانا تاجور نجیب کے احباب اور ان کے شاگرد اس مشاعرے میں ذوق شوق سے شریک ہوتے تھے۔[۵]

اس انجمن کے کئی مقاصد تھے، جن میں اردو شاعری میں بالاخصوص غزل کو دقیانوسی خیالات سے پاکیزہ بنانا، اسے ردیف قافیہ کی غیر ضروری پابندیوں سے آزاد کرنا، بے قافیہ نظموں کی طرف توجہ مبذول کرنا، ملک کی دیگر زبانوں کو شعری اوزان میں ڈھالنا اور آسان فہم اردو کو فروغ دینا جس کو ہندوستان کے تمام حصوں کے قارئین سمجھ سکیں۔ مجموعی طور پر انجمن ارباب عالم کا مقصد اردو زبان کو مضبوط اور ترقی دینا تھا۔ انجمن کے مقاصد ہی اس کی غرض و غایت کے غماز ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد خاں اس ادبی انجمن کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> مولانا تاجور کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں "انجمن ارباب علم" کا ذکر کرنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے یہ ادبی انجمن مولانا نے سر عبدالقادر کی سرپرستی میں لاہور میں قائم کی تھی جس کی منعقدہ مجالس میں مختلف مضامین و مقالات اور غزلیں اور نظمیں پڑھی جاتی تھیں مولانا کی محنت و کاوش سے یہ انجمن نہ صرف لاہور میں معروف و

> کامیاب ہوئی بلکہ اسکی شاخیں پنجاب کے دوسرے اضلاع میں بھی قائم ہوئیں اس طرح انجمن کے ذریعے پنجاب کے اکثر علاقوں میں اردو شعر وادب کی ترویج ہوئی اور نئی نسل میں اس کا ذوق پیدا ہوا۔[۶]

تاجور نجیب آبادی نے اپنی ادبی انجمنوں کے قیام، رسالوں کی تدوین اور تعلیمی کاوشوں کے ذریعے اردو زبان و ادب میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کا سب سے نمایاں کارنامہ ''انجمن ارباب عالم'' کا قیام ہے جس نے مشاعرے منعقد کیے تھے۔ اس انجمن کا پہلا باضابطہ مشاعرے کا انعقاد دسمبر ۱۹۱۸ء کو موچی دروازے کے قریب باغ میں ہوا، جس کی صدارت کرنے والے پنڈت برجموہن دیاتریہ کیفی دہلوی تھے۔ اس مشاعرے میں شرکت کرنے والوں میں نمایاں نام مولانا حکیم فقیر محمد نظامی، امیر حسین علی شاہ اسسٹنٹ پولیٹکل آفیسر، شیخ حبیب اللہ اور مولوی محمد الدین فوق کے ہیں۔

مولانا نے متنوع مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد میں اردو کی ترویج واشاعت کے لیے انتھک محنت کی۔ اس کے شاگرد مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، جن میں عیسائی، ہندو اور سکھ شامل تھے۔ مولانا کا پختہ یقین تھا کہ اردو زبان کی خوشحالی ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے اسے قبول کرنے پر منحصر ہے۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، کرپال سنگھ، جگن ناتھ آزاد، میلارام وفا، گوپال متل، پورن سنگھ ہنر اور اودھے سنگھ شائق جیسے قابل ذکر افراد مولانا سے زانوئے تلمذ طے کرتے رہے تھے۔ مولانا کی اپنے غیر مسلم طلبہ سے وابستگی بے مثال تھی۔ رہنمائی اور تصحیح کی پیشکش کے ساتھ ساتھ، انھوں نے ذاتی طور پر ان کی شاعرانہ حساسیت کو نکھارنے کے لیے بے شمار نظمیں لکھیں۔ سید عابد علی عابد اس حوالے سے لکھتے ہیں:-

> یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ مولانا، غیر مسلم سخن طرازوں کو آگے بڑھانے کے لیے خود غزلیں کہہ کر انھیں عطا کر دیتے تھے تاکہ عوام کی داد سے ان کا دل بڑھے اور وہ خود تخلیقی کام کی طرف متوجہ ہوں۔[۷]

اردو زبان و ادب کی نشرو اشاعت اور ترویج کے لیے مولانا تاجور نجیب آبادی کی خدماتِ گراں مایہ قابلِ ستائش ہیں۔ جس کو اردو کی ادبی تاریخ میں فراموش کیا نہیں جا سکتا۔

لاہور کا ایک اور اہم ادبی حلقہ جسے ''نیاز مندانِ لاہور'' کہا جاتا ہے، ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء کی دہائی تک اردو شعر وادب میں ایک متحرک ومتموج ادبی حلقہ تھا۔ اس کی تشکیل شعوری کاوش سے نہیں بلکہ حادثاتی

طور پر ہوئی۔ یہ حلقہ زیادہ تر ترقی پسند خیالات کے حامل نوجوان ادیبوں اور شاعروں کے پر مشتمل تھا، جو ادب کو روایت پسندی کی پابندیوں سے آزاد کرنے کے لیے پر عزم تھا۔ جو اردو ادب میں اختراعی رجحانات اور تصورات کو فروغ دینے کے خواہش مند تھے۔ عاشق حسین بٹالوی نے اس حلقے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> اس حلقے کے قیام چغتائی اور تاثیر کی مشترکہ کوشش سے رسالہ کارواں نکلتا تھا جس کے پہلے نمبر میں بیشتر مضامین لاہور ہی کے اہل قلم نے لکھے تھے دہلی کے جامعہ اور ساقی نے کارواں کے مضمون نگاروں کی زبان پر چند اعتراضات کیے جواب میں ایک نہایت مدلل اور مسکت جواب دیا گیا۔ جس کے نیچے لکھا تھا کہ نیاز مندان لاہور۔[۸]

پنجاب میں اردو ادب کے ایک اہم دور کی نمائندگی کرنے والا ایک اہم حلقہ "نیاز مندانِ لاہور" تھا۔ اس حلقے سے وابستگی رکھنے والوں کی نمایاں شخصیات میں مولانا عبدالمجید سالک، احمد شاہ پطرس بخاری، ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، جناب مجید ملک، سید امتیاز علی تاج، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ابوالاثر حفیظ جالندھری، جناب عبدالرحمٰن، مولانا چراغ حسن حسرت، پنڈت ہری چند اختر، حکیم احمد شجاع، سید عابد علی عابد اور شہرت بخاری وغیرہ شامل ہیں۔ اس ادبی حلقے کی ادبی سرگرمیاں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کی دہائی اپنے پورے جوبن پر تھیں۔ "نیاز مندانِ لاہور" میں شامل شعرا اور ادبا ادب سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے اور لاہور کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ انھوں نے درست سمت سے اس حلقے کو پروان چڑھایا اور ان حضرات نے اتنے ادب سے لگاؤ رکھنے والے ایسے طلبہ تیار کیے، جنھوں نے آنے والے دور میں اردو ادب کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا، اپنے لیے عزت حاصل کی اور اپنے اساتذہ کی عزت میں بھی اضافہ کیا۔ علمی اداروں کے اتحاد کے ذریعے علم و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ نیاز مندان لاہور کا ایک بڑا کارنامہ اردو زبان کو انگریزی اور یورپی ادب کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اُسے جدیت کو فروغ دینا تھا۔ اس وقت اردو ادب میں جدید رجحانات کا فقدان تھا اور اس میں توسیع کی ضرورت اور گنجائش تھی۔ اس حلقے کے ذریعے نئے خیالات اور جدید رجحانات اردو ادب میں وارد ہوئے اور اس کا اٹوٹ انگ بن گئے۔

"نیاز مندانِ لاہور" کی ادبی محفلیں اور مشاعرے ایس پی ایس کے ہال میں عروج پر ہوا کرتی تھیں۔ لاہور تاجور گروپ اور نیاز مندان لاہور کے درمیان فکری مباحث اور مقابلے شدت اختیار کر گئے۔ اس معاصرانہ چشمک کی وجہ ادبی حلقوں کے اختلاف شدت اختیار کر گئے۔ جس سے کچھ حد تک اردو ادب

میں ترقی کی راہیں بھی ہموار ہوئیں۔ تاہم مختلف وجوہات، اراکین کی مصروفیات اور نقل مکانی کی وجہ سے نیاز مندانِ لاہور کی ادبی سر گرمیاں زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکیں۔ مجموعی طور پر اس ادبی حلقے کے اراکین نے علم و ادب کی ترقی میں قابل ستائش کردار ادا کیا۔

لاہور میں بے حد مقبولیت پانے والی ایک ادبی انجمن و تحریک "ترقی پسند تحریک" ہے۔ اردو ادب پر اس جامع اور ہمہ گیر تحریک کے اثرات بہت دور رس تھے جو نہ صرف اردو ادب پر بلکہ جنوبی ایشیائی بر صغیر کی مختلف زبانوں پر بھی مرتب ہوئے تھے۔ اس نے اردو ادب کی تمام اصناف پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ بشیر سیفی اس تحریک کے مقام و مرتبے اور دور رس اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک اردو ادب کی سب سے بڑی تحریک سمجھی جاتی ہے۔ یہ تحریک ادب کو عام آدمی تک پہنچانے اور ادب کے ذریعے انسان دوستی، عقل پسندی، حب الوطنی اور سامراج دشمنی کا عزم لے کر ادب میں نمودار ہوئی اور اپنے خوش کن نعروں کے سبب چند ہی برسوں میں اُردو ادب کی سب سے بڑی اور فعال تحریک بن گئی۔[۹]

ترقی پسند تحریک نے اقبال سے رومانویت، جوش سے باغیانہ روح اور پریم چند کی حقیقت پسندی سے تخلیقی قوت حاصل کی۔ رومانویت پسندوں نے تخیل کی اندرونی دنیا پر زور دیا، جبکہ ترقی پسندوں نے ادب پر گہرا اثر ڈالتے ہوئے سماجی اصولوں کو چیلنج کیا۔ مصنف محمد عباس طوروی اس تبدیلی کے دور پر اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں:

> بیسویں صدی کے منظر نامے پر ترقی پسند تحریک کے اثرات سے کون واقف نہیں؟۔۔۔ اردو ادب کی واحد باقاعدہ ادبی تحریک ایک قیامت خیز ہنگامے کے ساتھ سامنے آئی اور ایک مدت تک ادب کے دھارے کی سمت متعین کرتی رہی۔[۱۰]

دسمبر ۱۹۳۲ء میں انگارے جیسی تہلکہ خیز کتاب کی اشاعت سے ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ احمد علی، سجاد ظہیر، راشید جہاں اور محمود الظفر کے لکھے ہوئے اس افسانوی مجموعہ نے طوفان برپا کر دیا تھا۔ جس کی وجہ اس کی بہت زیادہ مخالفت ہوئی اور مارچ ۱۹۳۳ء میں اسے ضبط کر لیا گیا۔ عزیز احمد نے اسے معاشرے پر ایک وحشیانہ حملہ قرار دیا۔ اگر اسے ضبط نہ کیا جاتا تو اسے فراموش کر دیا جاتا۔ تاہم اس کی ضبطی نے اسے زیادہ اہمیت و مقبولیت دی۔ سید علی حسنین نقوی نے انگارے کی اہمیت کے حوالے سے لکھا

ہے کہ:۔

کتاب ضبط ہو گئی، اشاعت پر پابندی لگا دی گئی اور متاثرین نے بہت شور و غوغا کیا لیکن اس کے بعد گلشن ادب کی جو شیرازہ بندی ہوئی اس سے اُردو ادب کی تاریخ آج تک مہک رہی ہے۔"

انگارے کے اجراء سے عوام میں جوش و خروش پیدا ہوا، جنھوں نے اسے بے تابی سے حاصل کیا اور چھپ کر پڑھا۔ اس کتاب نے روایتی ثقافتی اصولوں کو توڑا اور اردو ادب میں ایک ترقی پسند تحریک کو جنم دیا۔ انگارے کے مصنفین نے لیڈر نامی الٰہ آباد کی اخبار میں ایک بیان میں تنقیدی جواب دیا۔ بیان میں استعمال ہونے والا لفظ "پراگریسو" یعنی 'ترقی' استعمال ہوا جو بعد میں تحریک کے نام سے وابستہ ہو گیا۔ نوجوان مصنفین رومانیت سے ہٹ کر حقیقی زندگی کے مسائل پر توجہ مرکوز کرنے لگے، جیسا کہ پروفیسر احمد علی کی کتاب شعلے میں دیکھا گیا۔ اس کتاب میں بھی ترقی پسند انداز اور سوچ کار فرما تھی۔ اس لیے انگارے اور شعلے نے ادبی دنیا کی فضا میں ہلچل مچا دی۔

اردو ادب میں ترقی پسند تحریک وہ پہلی تحریک تھی جس کا پہلا سرکاری منشور منظور کا گیا تھا۔ لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس ترقی پسند تحریک کا پہلا منشور لاہور میں ہی ترتیب دیا گیا۔ اپنے عمدہ منشور کی وجہ سے یہ انجمن ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیل گئی اور مختلف مقامات پر اس تحریک کی شاخیں قائم ہوئیں۔ ترقی پسند کی پہلی کانفرنس میں صدارت کے فرائض منشی پریم چند ادا کیے اور انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں دیانت داری، آزادی اور انسان دوستی کو فروغ دینے میں ادب کی اہمیت پر زور دیا۔

ترقی پسند تحریک کی الٰہ آباد ۱۹۳۵ء میں ایک شاخ میں قائم ہوئی جس کے بعد ۱۹۳۶ء میں بہار اور علی گڑھ میں شاخیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۳۸ء میں لکھنؤ اور حیدرآباد دکن نے بھی شاخیں کھولیں۔ اسی سال ۱۹۳۸ء میں فیض احمد فیض، صوفی تبسم اور اختر شیرانی کے باہمی تعاون سے لاہور میں "انجمن ترقی پسند منصفین" کی بنیاد رکھی گئی۔ ابتدا میں لاہور میں قائم اس شاخ کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس نے پہچان حاصل کی۔ بڑے بڑے قدر آور شعرا و ادبا نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور اس کی ترقی اور استقامت میں اہم کردار ادا کیا۔ اس حوالے یونس جاوید رقم طراز ہیں:

ترقی پسند تحریک بڑی توانا اور طاقتور تحریک تھی۔ یوں کہیے کہ یہ اپنے زمانے کا ذہنی احتجاج تھا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس کا آغاز اذہان سے کیا گیا۔ ان ذہنی رویوں کو بدلنے کی کوشش کی گئی جو اس سے پیشتر رواج پذیر تھے۔ لہٰذا اُردو کے تمام بڑے بڑے ادیبوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ جس میں اہم ترین پریم چند، جوش، حسرت موہانی، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر عابد حسین، نیاز فتح پوری، قاضی عبدالغفار، فراق مجنوں گورکھپوری، علی عباس حسینی اور ساغر نظامی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۱۲]

لاہور تیزی سے ترقی پسندوں کا بنیادی مرکز بن کر ابھرا، جہاں ان کی انجمن نے بڑے پیمانے پر قبولیت حاصل کی اور ان کے نظریات کو بہت پسند کیا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس تحریک نے قریہ، شہروں اور قصبوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور ایک زبردست تحریک کی شکل اختیار کی۔ ترقی پسند تحریک کے مقاصد اور اہداف میں پورے ہندوستان کے ترقی پسند مصنفین کی مدد سے منشور کے اجتماعات کو ترتیب دینا، ادبی کاموں کی اشاعت کے ذریعے ان کے مقصد کو پھیلانا، رجعت پسندانہ رجحانات کی فعال طور پر مخالفت کرتے ہوئے لوگوں کو آزادی دلانا، ترقی پسند مضامین لکھنے، ترجمہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور حمایت کرنا، ترقی پسند مصنفین کی معاونت کرنا اور آزادی رائے اور فکر کی حفاظت کرنا وغیرہ شامل تھا۔

ترقی پسند تحریک کے تین بڑے ادوار تھے۔ پہلا دور سجاد ظہیر کے لندن کے اعلامیے اور گرفتاری (۱۹۳۶ء-۱۹۴۰ء) تک محیط تھا۔ دوسرا دور سجاد ظہیر کی رہائی کے بعد آزادئ پاکستان (۱۹۴۲ء-۱۹۴۷ء) تک کا تھا۔ جب کہ تیسرا دور آزادی کے طلوع ہونے، سیاسی رکاوٹوں اور نئے منشور (۱۹۴۷ء-۱۹۴۲ء) کی اشاعت تک تھا۔

ترقی پسند تحریک کو اپنے ابتدائی ایام میں مختلف چیلنجز اور رکاوٹوں کا شدید سامنا رہا، لیکن جلد ہی حالات اس کے موافق ہو گئے۔ دراصل اس دور میں لوگ حالات میں تبدیلی کے خواہاں تھے۔ یہی سبب ہے کہ اس ادبی تحریک نے پہلے دور میں ہی تیزی سے بڑی تعداد میں لوگوں کی توجہ حاصل کر لی اور لوگ گروہ در گروہ اس تحریک میں شمولیت اختیار کرتے گئے۔ لہٰذا سازگار حالات اور موافق فضا کی وجہ سے یہ تحریک متحرک قوت کے طور پر اُبھری۔ دوسرا مرحلہ، جو ۱۹۴۲ء-۱۹۴۷ء تک پھیلا ہوا تھا، جو آزمائشوں سے بھرپور تھا۔ سجاد ظہیر جو قید کاٹ چکے تھے، ابتدا میں قابلِ عمل خیالات اور واضح سوچ نہ لائے، جس سے تحریک کی

سرگرمی اور فعالیت کو عارضی طور پر کم کر دیا۔ تاہم، نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ، سجاد ظہیر نے تحریک کو دوبارہ منظّم کیا، کانفرنسوں کی میزبانی کی اور ایسے رسالے جاری کیے جنھوں نے اس کے مقاصد میں نئی جان ڈالی۔ اس دور نے تحریک کے عروج کا مشاہدہ کیا، کیوں کہ اس نے سینما کی دنیا سے جڑے ہوئے اور ادبی اشاعتوں جیسے ادب لطیف لاہور، ساقی دہلی، اور نظام بمبئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ مزید برآں، تحریک کا اثر شعری محفلوں کی تنظیم تک پھیلا، جہاں ترقی پسند اور غیر ترقی پسند شعرا اکٹھے ہوئے۔

ترقی پسند تحریک کے تیسرے اور آخری مرحلے کو ہنگامہ خیزی اور ردعمل تصور کیا جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تاریخی تقسیم کے بعد، ترقی پسند تحریک کو مختلف عوامل کے نتیجے میں گہرے دھچکے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس تقسیم کے بعد، حالات اور واقعات نے نیا رخ اختیار کر لیا، جس سے انتہا پسندوں نے اس انجمن پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ بدلے ہوئے منظر نامے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں کے پیش نظر، ترقی پسندی کے مفہوم کو نئے سرے سے متعین کرنے کی شدید ضرورت تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ان انتہاپسندوں کی طرف سے دکھائے جانے والے بے لچک و غیر ذمہ دارانہ رویے کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ جس کے نتیجے میں متعدد اعتدال پسند مصنفین نے اس تحریک الگ ہونے میں حکمت جانی۔ یوں یہ انجمن انتشار و خلفشار کا شکار ہو کر روبہ زوال ہو گئی۔ بالآخر، ۱۹۵۶ء میں اسے تحلیل کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود اردو ادب میں ان کی بے شمار خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی تحریک کے ذریعے اردو ادب جدید افکار سے آشنا ہوا، جس کے نتیجے میں بے شمار فوائد و ثمرات حاصل ہوئے جنھیں صاحب زادہ حمید اللہ نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ترقی پسند تحریک نے انسانوں کو زندگی اور ادب کے اسٹیج پر مرکزی جگہ دی ہے۔ اس نے عام آدمیوں میں ہیرو کے صفات دیکھے اور دکھائے ہیں اس نے طبقاتی اور سماجی خلیجوں کو کم کیا ہے۔ اس نے ماضی کو عقل کی عینک سے دیکھنا سکھایا ہے۔ اس نے ہیرو پرستی کم کی ہے، ادب کی زبان کو چند مخصوص لوگوں کا کھلونا بنانے کی بجائے سب کے دل کا آئینہ بنایا ہے۔ اس تحریک نے تنقیدی شعور کو ابھارا ہے۔[۱۳]

مجموعی طور پر اس ترقی پسند تحریک کو اُردو ادب کی ایک ہمہ گیر تحریک کہا جا سکتا ہے۔ جس نے اردو ادب کی متنوع اصناف کے فروغ کے لیے خدماتِ گراں مایہ سرانجام دیں۔

لاہور کی ایک اور اہم ادبی انجمن ''حلقہ اربابِ ذوق'' ہے۔ دراصل انیسویں کی دہائی کے اوائل سے ہمارے ادیب اور شاعر اردو شعر و ادب میں فرسودہ روایات کو توڑ کر جدید اقدار کو فروغ دینے کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دیتے رہے ہیں۔ جدت پسندی کی یہ جستجو بالآخر ۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخر میں حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک کے ظہور کا باعث بنی۔ اس تحریک نے نہ صرف شاعری اور ادب کے اندرونی پہلوؤں کو جدید بنانے کی کوشش کی بلکہ ابلاغ کے مخصوص سانچوں کو بھی تنوع سے ہم آہنگ کرنا اس کا مقصود تھا۔

شروع میں حلقہ ارباب ذوق کا کوئی رسمی تحریری منشور نہیں تھا، اور اس کی تشکیل کافی بے ساختہ ہوئی۔ حلقہ اربابِ ذوق کے بانیوں میں سے ایک، تابش صدیقی[۱۴]، حلقے کے آغاز کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کیسے وہ سید احمد جامعی سے غیر متوقع طور پر ملے، جنھوں نے تحریری تحریک کو فروغ دینے کے لیے ایک ادبی انجمن کے قیام کا خیال پیش کیا، جس میں افسانے، ڈرامے اور کہانیاں وغیرہ پڑھی جائیں، لیکن اس بات سے یہ قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی کہ حلقے کا کوئی ادبی تاریخی تناظر ہی نہ تھا۔ ''حلقہ اربابِ ذوق'' ابتدا میں ''بزمِ داستاں گویاں'' کے نام سے موسوم تھا۔ اس کا آغاز ۲۹ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا اور پہلا رسمی اجلاس نصیر احمد جامعی کے ہاں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت حفیظ ہوشیار پوری نے کی اور اس میں نسیم حجازی، تابش صدیقی، محمد فاضل، اقبال احمد، محمد سعید، عبدالغنی اور شیر محمد اختر وغیرہ شریک تھے۔[۱۵] تابش صدیقی کے مطابق:۔

> اس چائے پارٹی میں کئی نام تجویز ہوئے مگر ''بزمِ داستان گویاں'' پر اتفاق ہوگیا اسے ''بزمِ افسانہ گویاں'' پر ترجیح دی گئی کیوں کہ افسانہ صرف کہانی تک ہی محدود تھا۔ داستان کا احاطہ وسیع خیال کیا گیا کہ اس میں ڈراما اور ناول کو بھی شامل کیا جا سکتا تھا۔ اس نام کے مجوز خود سید نصیر احمد تھے۔[۱۶]

پانچ ماہ تک ''بزمِ داستان گویاں'' کے اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے۔ اس بزم کے دسویں اجلاس مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء میں اس کا نام نامناسب لگنے کی بنا پر بدل دیا گیا۔ اس کا نیا نام 'حلقہ ارباب ذوق' تھا۔ یہ نام محمد فاضل لے کر آئے اور اس نام کی تحریک انھیں اقبال کے اس شعر سے ہوئی تھی:۔

ساقی اربابِ ذوق، فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اصیل [۱۷]

قیومؔ نظر کے مطابق حلقے کے مرتب کردہ اغراض و مقاصد یہ تھے:۔

۱۔ اردو زبان کی ترویج و اشاعت
۲۔ نوجوان لکھنے والوں کی تعلیم و تفریح
۳۔ اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا
۴۔ تنقید ادب میں خلوص اور بے تکلفی پیدا کرنا
۵۔ اردو ادب اور صحافت کے ناسازگار ماحول کو صاف کرنا۔[۱۸]

اس حلقے کے اغراض و مقاصد اور شہرت کی وجہ سے میراجی اور یوسف ظفر بھی اس حلقے کے رکن بن گئے۔ ان حضرات کی آمد حلقے کے رجحانات میں خوش آیند تبدیلیوں کا باعث ثابت ہوئی۔ خصوصاً میراجی نے حلقے کی شاعری اور تنقید کو نئے رجحانات سے آشنا کروایا۔ اس کے زیر اثر حلقے کی تنقید تعریف و توصیف اور ''واہ واہ'' کے دائرے سے نکلی۔ بقول ڈاکٹر سہیل احمد خان:۔

حلقہ بنیادی طور پر میراجی کے زیر اثر نئے ادب کی تفہیم بن گیا تھا۔ نئی ہیئتیں اور نئے علوم سے دلچسپی ہوئی اور ادبی تخلیقات کے تجزیئے کا ایک نیا اسلوب حلقے سے ابھرا۔[۱۹]

ڈاکٹر سہیل احمد خان[۲۰] کے مطابق ۱۹۳۰ء کے بعد بہت سے شاعر وادیب جن میں راشد، میراجی اور غلام عباس وغیرہ شامل تھے۔ آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے تھے۔ للذا حلقے کی دہلی میں بھی ایک شاخ قائم ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی، ڈھاکا اور پشاور میں بھی حلقے کی شاخوں کا قیام عمل میں آیا۔ محسن علی عابدی[۲۱] کے مقالے سے ۱۹۲۸ء تک قائم ہوئے والی حلقے کی بہت سی شاخوں کا پتا ملتا ہے۔ جن میں راول پنڈی، اسلام آباد، جہلم، سیال کوٹ، ملتان، ساہی وال، ڈیرہ اسماعیل خان، مری، قصور، سری نگر اور ڈھاکا کی شاخیں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں بی بی سی (لندن) منسلک ہونے والے بہت سے پاکستانی اور ہندوستانی ادیبوں اور دانش وَروں نے میں بھی حلقے کی ایک شاخ قائم کر لی تھی۔ اعجاز احمد بٹالوی کے مطابق[۲۲] لندن میں حلقے کا پہلا اجلاس نومبر یا دسمبر ۱۹۱۵ء میں غلام عباس کے افسانے کے لیے منعقد ہوا۔

۱۹۳۹ء سے شروع ہونے والا ''حلقہ ارباب ذوق'' کا ادبی سفر نہایت کامیابی سے جاری رہا۔ تاہم

میں بیسویں صدی کے وسط میں ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' پر لگنے والی پابندی نے بعض ترقی پسند ادیبوں کو حلقے کی طرف راغب ہونے پر مجبور کیا اور اور اسی مقام حلقے کے مزاج میں بھی تبدیلی آئی۔ آخر کار مارچ ۱۹۷۲ء میں حلقہ دولخت ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں ٹکڑے ''حلقہ ارباب ذوق ادبی'' اور ''حلقہ ارباب ذوق سیاسی'' صرف چھے برس تک ہی قائم رہے۔ بعد ازاں حلقے پر لگنے والی سیاسی پابندیوں نے اس کے دونوں ٹکڑوں سیاسی اور ادبی کو معطل کر دیا۔ سید امجد الطاف اس صورت حال پر رقم طراز ہیں:

> ۱۹۷۸ء میں دونوں (حلقوں) نے یہ کہہ کر اپنی بساط لپیٹ دی کہ ملک کے سیاسی حالات نے ایسی کروٹ بدلی ہے کہ ادبی سر گرمیاں جاری رکھنا ممکن نہیں رہا۔ یہ بڑا سخت بحران تھا لیکن اس موقع پر ایک بار پھر حلقے کے چند پرانے نام لیوا میدان میں اترے اور انھوں نے صرف ایک ہفتے کے تعطل کے بعد حلقے کی ہفت روزہ نشستوں کا آغاز کر دیا۔[۲۳]

حلقہ ارباب ذوق کا ایک اور مثبت پہلو ادب و شعر کو ہیئت اور موضوع کے لحاظ سے نت نئے تجربات سے آشنا کر کے تر و تازگی بخشتا ہے۔ میراجی اور ان کے رفقاء نے خصوصاً نظم کو نیا طرز احساس اور نئی ہیئتیں عطا کیں۔ ان کی ہیئتیں مغربی اور مشرقی ہیئتوں کا عمدہ امتزاج ہیں اور ان کا موضوع نفسیات کے وسیلے سے انسان کے داخل کا مطالعہ ہے۔ ان رجحانات کے پیش نظر حلقے کو ایک فعال ادبی رجحان قرار دیا جا سکتا ہے۔ ''حلقہ ارباب ذوق'' نے ہماری ذہنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا۔ شہرت بخاری، میراجی، ضیاء جالندھری، محمد صفدر میر، انتظار حسین اور مرزا ادیب جیسے کئی اور نامور ادیب اسی حلقے کے توسط سے اردو ادب کو عطا ہوئے۔ عصر حاضر میں بھی ''حلقہ اربابِ ذوق'' ادیبوں کو ادب کی لطافت سے آشنا کرنے میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ۱۲۳-۱۲۵۔

۲۔ اخبار انجمن پنجاب لاہور، شمارہ: ۴ اپریل ۱۸۷۳، ۱۳ اگست ۱۸۷۳ء، ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۳ء۔

۳۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور (لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، جولائی ۱۹۷۶ء)، ۴۶۳۔

۴۔ جاوید اقبال،زندہ رود (حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور)(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۳ء)، ۸۳۔
۵۔ عبدالمجید سالک،یارانِ کُہن (لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۱۳۰۔
۶۔ ڈاکٹر علی محمد خاں،لاہور کا دبستان شاعری (لاہور: مکتبہ نشریات، سن ندارد)، ۱۷۴۔
۷۔ عابد علی عابد، ''چند بڑے ادیب''، مشمولہ: نقوش لاہور نمبر، ۱۹۶۲ء، ص ۳۴۳۰۔
۸۔ عاشق حسین بٹالوی،چند یادیں ، چند تاثرات (لاہور: ۱۹۸۵ء)، ۳۷۔
۹۔ ڈاکٹر بشیر سیفی،تنقیدی مطالعے (لاہور: نذیر سنز، ۱۹۹۶ء)، ۷۔
۱۰۔ محمد عباس طوروی،احمد شاہ سے احمد ندیم قاسمی (لاہور: پاکستان رائٹرز کواپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء)، ۱۷۸۔
۱۱۔ علی حسنین نقوی (جمال نقوی)،ترقی پسند اردو نثر کے پچاس سال (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء)، ۲۲۔
۱۲۔ یونس جاوید،حلقہ اربابِ ذوق (لاہور: مجلس ترقی ادب، جنوری ۱۹۸۴ء)، ۳۵۔
۱۳۔ صاحب زادہ حمید اللہ،فن اور تکنیک (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ۲۲۳۔
۱۴۔ تابش صدیقی، ''داستان گویاں اور حلقہ اربابِ ذوق''، مشمولہ: علامت، لاہور، دسمبر ۱۹۸۹ء، ۴۴۔
۱۵۔ یونس جاوید،حلقہ ارباب ذوق (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۳ء)، ۲۱۔
۱۶۔ تابش صدیقی، ''بزم داستان گویاں اور حلقہ ارباب ذوق''، مشمولہ: علامت، لاہو،ر دسمبر ۱۹۹۰ء، جلد نمبر ا شمارہ: ۳، ۱۹۸۹ء، جنوری ۱۹۹۰ء، جلد نمبر ا، شمارہ: ۳، ص: ۴۵۔
۱۷۔ ایضاً۔
۱۸۔ حمیرا ماجد،بیسویں صدی کے لاہور کا ادبی ماحول (مقالہ پی ایچ ڈی اردو) (لاہور: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۱۸ء)، ۳۳۔۳۴۔
۱۹۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان، ''گفتگو'' مشمولہ: ماہنامہ شام و سحر، لاہور، دسمبر ۱۹۹۹ء، ۲۵۔
۲۰۔ ایضاً۔
۲۱۔ محسن علی عابدی،حلقہ اربابِ ذوق راولپنڈی (مقالہ ایم اے اردو) (لاہور: پنجاب یونیورسٹی لائبریری)، ۷۔
۲۲۔ اعجاز احمد بٹالوی، ''حلقہ اربابِ ذوق لندن''، مشمولہ: معاصر لاہور، شمارہ ۳، ص ۸۷۳۔
۲۳۔ سید امجد الطاف، ''حلقہ ارباب ذوق کی گولڈن جوبلی''، مشمولہ: علامت، لاہور، دسمبر ۱۹۸۹ء، ۴۳۔